فکر و نظر---- اسلام آباد جلد: ۳۸ شمارہ: ۲

اسلام میں نظام قضاء کے قیام میں حکمران کا کردار

سید نظیر الحسن گیلانی ☆

بعثت نبوی ﷺ سے قبل کا وہ دور جسے تاریخ اسلام میں زمانہ جاہلیت کا نام دیا گیا ہے ایسا دور گزرا ہے جس میں ریاستی سطح پر نہ تو کوئی ایسے قواعد و ضوابط ملتے ہیں جو لوگوں کے درمیان جنم لینے والے تنازعات کے تصفیہ اور عوام کو عدل و انصاف کی فراہمی کے لیے کسی مرتب و مدون قانون کا درجہ رکھتے ہوں اور نہ ہی اس دور میں کسی ایسی مشینری کا وجود ملتا ہے جو ریاست کی طرف سے اس ذمہ داری کو نبھانے کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ اس دور میں عوام اپنے تنازعات کے تصفیہ کے لیے زیادہ تر کاہنوں، نجومیوں یا اپنے علاقے اور قبیلے کے صاحب حیثیت افراد سے رجوع کرتے تھے۔ مگر ایسا بھی فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہوتا تھا اور یہ ان کی صوابدید پر منحصر تھا کہ وہ کسی فیصلے کو قبول کریں یا رد کر دیں۔ تاریکی کے اس دور میں جب اسلام کے سورج نے ضیاء پاشی کی تو اسلامی ریاست کے حکمران کو اپنی رعایا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ٹھہرایا اور اس پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ ریاست میں ہر وہ اصلاحی کام کرے جس میں معاشرے کا اجتماعی مفاد ہو، چونکہ شریعت کے احکام کے نفاذ، مظلوم کی دادرسی، خصومات و تنازعات کے خاتمے، غصب شدہ حقوق ان کے مالکوں کو لوٹانے، اسلامی ریاست کے شہریوں کے امن و سکون میں مخل ہونے والوں کو کیفر کردار تک پہنچانے اور جرائم کے قلع قمع کرنے کی طاقت حکمران ہی کو حاصل ہوتی ہے اور اسی کا حکم نفاذ کی قوت رکھتا ہے اور فرمان واجب تعمیل ہوتا ہے اسی لیے فقہاء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اسلامی ریاست کے شہریوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا اسلامی ریاست کے حکمران پر واجب اور اس کی اوّلین ذمہ داریوں میں سے ہے۔[1] اسلامی ریاست

☆ سیکرٹری اسلامی نظریاتی کونسل، آزاد جموں و کشمیر۔

کے حکمران پر عائد یہ ذمہ داری قرآن کریم، سنت رسول ﷺ، اجماع امت اور عقلی استدلال سے ثابت ہوتی ہے۔

قرآن کریم سے استدلال

قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی ریاست کے حکمران کے لیے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے کرنا واجب قرار دیا ہے۔ ان آیات میں سے بعض میں براہ راست ریاست کے حکمران کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ :

۱۔ وان احکم بینهم بما انزل الله ولا تتبع أهوائهم واحذرهم ان یفتنوك عن بعض ما انزل الله الیك فان تولوا فاعلم انما یرید الله ان یصیبهم ببعض ذنوبهم وان کثیرا من الناس لفاسقون۔(۲)

۲۔ انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك الله ولا تکن للخائنین خصیما۔(۳)

۳۔ فاحکم بینهم بالقسط، ان الله یحب المقسطین۔(۴)

اور بعض میں یہ حکم بالواسطہ طور پر ملتا ہے جیسا کہ :

۱۔ إنّ الله یأمر بالعدل والاحسان و ایتآئ ذی القربیٰ و ینهیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلّکم تذکّرون۔(۵)

۲۔ یٰایها الذین آمنوا کونو قوّمین بالقسط شهدآء لِلّٰهِ ولو علی انفسکم أولوالدین والأقربین ان یکن غنیا اوفقیرا فالله اولیٰ بهما فلا تتبعوا الهوی ان تعدلوا وان تلوآ أو تعرضوا فان الله کان بما تعملون خبیرا۔(۶)

۳۔ یا یها الذین امنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی آلا تعدلوا إعدلوا هوأقرب للتقوی واتقوا الله، ان الله خبیر بما تعملون۔(۷)

۴۔ واوفوا الکیل والمیزان بالقسط لا نکلف نفساً الا وسعها واذ اقلتم فاعدلوا

ولو كان ذا قربى و بعهدالله اوفوا ذلكم وصّكم به لعلكم تذكرون۔(٨)

۵۔ واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل إن الله نعمّا يعظكم به إن الله كان سميعاً بصيرا۔(٩)

٦۔ ياداؤد انا جعلنك خليفة فى الأرض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب۔(١٠)

۷۔ وان طائفتن من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فإن بغت احداهما على الأخرى فقاتلوا التى تبغى حتى تفئ الى امرالله فان فاء ت فاصلحوا بينهما بالعدل واقسطوا ان الله يحب المقسطين۔(١١)

۸۔ واقيموا الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان۔(١٢)

۹۔ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصّبرين۔(١٣)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی ریاست کے حکمران کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کی نازل کردہ شریعت کی روشنی میں لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کریں۔ چنانچہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے کرنے کی ذمہ داری براہ راست اسلامی ریاست کے حکمران پر عائد ہوتی ہے اور یہ اسی کے اولین واجبات میں سے ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی بعض آیات میں ریاستی مشینری کی اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی عملی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف میں شاہی پیمانے پر کسی گمشدگی کے مقدمے کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے :۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِم جَعَلَ السِّقَايَةَ فِى رَحْلِ أَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ
اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ قَالُوْا وَاَقْبَلُوا عَلَيهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ۔
قَالُوْنَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔ قَالُوْا

تَا للّٰهِ لَقَد عَلِمتُم مَّا جِئنَا لِنُفسِدَ فِي الاَرضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِينَ۔ قَالُوا فَمَا جَزآؤُه اِن كُنتُم كٰذِبِينَ قَالُوا جَزآؤُه مَن وُّجِدَ فِي رَحلِهٖ فَهُوَ جَزآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجزِى الظّٰلِمِينَ۔ فَبَدَاَ بِاَ وعِيَتِهِم قَبلَ وِعَآءِ اَخِيهِ ثُمَّ استَخرَجَهَا مِن وّ عَآءِ اَخِيهِ كَذٰلِكَ كِدنَا لِيُوسُفَ مَاكَانَ لِيَاخُذَ اَخَاهُ فِي دِينِ المَلِكِ اِلاَّ اَن يَّشَآءَ اللّٰهُ نَرفَعُ دَرَجٰتٍ مَّن نَّشَآءُ وَفَوقَ كُلِّ ذِي عِلمٍ عَلِيمٌ۔ قَالُوا اِن يَّسرِق فَقَد سَرَقَ اَخٌ لَّهُ مِن قَبلُ فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفسِهٖ وَلَم يُبدِهَا لَهُم قَالَ اَنتُم شَرٌّ مَّكَاناً وَاللّٰهُ اَعلَمُ بِمَا تَصِفُونَ۔ قَالُوا يٰاَيُّهَاالعَزِيزُ اِنَّ لَهٗ اَباً شَيخاً كَبِيراً فَخُذ اَحَدَنَامَكَانَهٗ اِنَّانَرٰكَ مِنَ المُحسِنِينَ۔ قَالَ مَعَاذَاللّٰهِ اَن نَّاخُذَ اِلاَّ مَن وَّجَدنَا مَتَاعَنَا عِندَهٗ اِنَّا اِذا الَّظٰلِمُونَ۔ (١٤)

حضرت داؤد علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے حکمران بھی تھے کا اموال شراکت کے ایک مقدمہ میں فیصلے کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے۔

وَهَل اَتٰكَ نَبَؤُا الخَصمِ اِذ تَسَوَّرُوا المِحرَابَ۔ اِذ دَخَلُوا عَلٰى دَاؤدَ فَفَزِعَ مِنهُم قَالُوا لاَ تَخَف خَصمٰنِ بَغٰى بَعضُنَا عَلٰى بَعضٍ فَا حكُم بَينَنَا بِالحَقّ وَلاَ تُشطِط وَاهدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاط۔ اِنَّ هٰذَآ اَخِي لَهٗ تِسعٌ وَّتِسعُونَ نَعجَةً وَّلِيَ نَعجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اكفِلنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الخِطَابِ۔ قَالَ لَقَد ظَلَمَكَ بِسوَالِ نَعجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيراً مِنَ الخُلَطَآءِ لَيَبغِي بَعضُهُم عَلٰى بَعضٍ اِلاَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيلٌ مّا هُم وَظَنَّ دَاؤدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَا ستَغفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّرَاكِعاً وَّاَنَابَ۔ فَغَفَرنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِندَنَا لَزُلفٰى وَحُسنَ مَاٰبٍ يادَاؤدُ اِنَّا جَعَلنٰكَ خَلِيفَةً فِي الاَرضِ فَاحكُم بَينَ النَّاسِ بِالحَقّ وَلاَ تَتَّبِعِ الهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُم عَذَابٌ

شَدِیدٌ بِمَا نَسُوایَوم الحِسَابِ۔ (۱۵)

حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام کے کاشت کاری کے ایک مقدمے میں فیصلے کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَدَاؤدَ وَسُلَیمٰنَ اِذْ یَحکُمٰنِ فِی الحَرثِ اِذنَفَشَت فِیهِ غَنَمُ القَومِ وَکُنَّا لِحُکمِهِم شٰهِدِینَ۔ فَفَهَّمنٰهَا سُلَیمٰنَ وَکُلاًّ اٰتَینَا حُکماً وَّعِلماً۔ (۱۶)

سنت نبوی ﷺ سے استدلال

اسلامی ریاست کے پہلے حکمران خاتم المرسلین سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالی کے ان احکامات کی روشنی میں اسلامی ریاست میں قضاء کا منصب خود سنبھالا، چنانچہ آپ کی عدالت میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق بے شمار مقدمات پیش ہوئے اور آپ نے ان کے فیصلے صادر فرمائے۔ ہم مثال کے لیے آپ ﷺ کے بعض فیصلے درج ذیل نقل کر رہے ہیں :

امور نکاح سے متعلق آپ کا فیصلہ

حضرت ابن عباسؓ (۱۷) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ ہجرت کر آیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی بیوی بھی اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ ہجرت کر کے چلی آئی۔ چنانچہ وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور یہ معاملہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنے سابقہ نکاح کی توثیق یا تنسیخ کے بارے میں آپ سے فیصلہ کی استدعا کی۔ آپ ﷺ نے اس معاملہ میں فیصلہ فرماتے ہوئے اس شخص کے سابقہ نکاح کو بر قرار رکھا اور اس عورت کو اسی کی بیوی قرار دیا۔ (۱۸)

امور رضاعت سے متعلق آپ ﷺ کا فیصلہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۱۹) سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنا بیٹا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے اپنے بیٹے

کو پیٹ میں اٹھایا، اس کو جنم دیا، پالا پوسا اور دودھ پلایا، اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور وہ اسے بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کا مقدمہ سننے کے بعد وہ بچہ اس کے پاس رہنے دیا اور یہ فیصلہ سنایا کہ "اگر تو نکاح نہ کرے تو تو ہی اس کی دیکھ بھال کی زیادہ حق دار ہے"(۲۰)

حدود و قصاص سے متعلق مختلف مقدمات میں آپ ﷺ کے فیصلے

(الف) حضرت ابو ہریرہؓ(۲۱) اور زید بن خالد الجہنیؓ(۲۲) روایت فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں اللہ کے نام پر آپ سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کی روشنی میں میرا فیصلہ فرمائیں۔ اس سے قبل کہ وہ اپنا مقدمہ عدالت میں پیش کرتا، اس کے حریف نے جو اس سے زیادہ سمجھ بوجھ کا مالک تھا حضور ﷺ سے گذارش کی کہ ہاں یا رسول اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیں اور مجھے یہ مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش کرنے کی اجازت بخشیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنا مدعا بیان کرنے کا حکم دیا تو اس نے آپ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری کرتا تھا اور وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوا مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ میرے بیٹے کو رجم کی سزا ہونی ہے اور میں نے اپنے بیٹے کو اس سزا سے بچانے کے لیے ایک سو ایک بھیڑوں کا فدیہ ادا کیا ہے۔ جب اہل علم کو اس مقدمہ کا علم ہوا تو انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ اس جرم میں ملوث میرے بیٹے (غیر شادی شدہ) کے لیے سزا ایک سو درے اور ایک سال کی جلاوطنی مقرر ہے اور اس شخص کی بیوی رجم کی مستحق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مقدمہ سننے کے بعد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ جہاں تک بھیڑوں کا تعلق ہے تو وہ قابل واپسی ہیں (بھیڑوں کا فدیہ دے کر سزا معاف نہیں ہو سکتی) اور تیرے بیٹے کی سزا ایک سو درے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے" بعد ازاں حضور ﷺ نے حضرت انسؓ(۲۳) کو حکم دیا کہ وہ اس مقدمہ کی مکمل تحقیقات کریں اور اس میں ملوث

عورت سے بھی دریافت فرمالیں اور اگر وہ اعتراف جرم کر لے تو وہ اسے شادی شدہ ہونے کی بناء پر رجم کی سزا دے دیں۔ چنانچہ دوسرے دن اس عورت نے بھی اعتراف جرم کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اسے رجم کر دیا گیا"۔[۲۴]

(ب) عبداللہ بن صفوان ؓ[۲۵] اپنے والد صفوان بن امیہ ؓ[۲۶] سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ جس نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی صورت میں ایک جائے پناہ میسر آجانے کے بعد بھی ہجرت نہ کی اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو وہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ مدینہ پہنچ کر ایک دن آپ اپنی چادر کا تکیہ بنائے سوئے ہوئے تھے کہ ایک چور آپ کی چادر لے اڑا۔ آپ بیدار ہوگئے اور چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ کو گزارش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تحقیق و تفتیش کے بعد چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوان ؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے یہ معاملہ آپ کی خدمت میں اس ارادے سے گزارش نہیں کیا کہ آپ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمائیں۔ میں اپنی مسروقہ چادر کو اسی پر صدقہ کرتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "آپ کو یہ بات اس مقدمہ کو میرے نوٹس میں لانے سے پہلے کرنا چاہیئے تھی"۔ چنانچہ چور پر حد کا آغاز ہوا اور اس سے یہ قاعدہ بھی معلوم ہوگیا کہ حد ثابت ہونے کے بعد معاف نہیں کی جاسکتی۔[۲۷]

اس کے علاوہ علامہ عبداللہ محمد بن فرج المالکی القرطبی[۲۸] نے اسلامی ریاست کے اولین حکمران کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی بذیل فیصلے مقدمات کی تفصیل کے ساتھ نقل کیے ہیں۔[۲۹]

۱۔ حربی کفار کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۔ پتھر کی ضرب سے کسی کو قتل کرنے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۔ حاملہ عورت کو تشدد کا نشانہ بنا کر اس کے حمل کے ضیاع کا سبب بننے والے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۴۔ ایسا مقتول جس کے قاتل کا سراغ نہ مل سکے کی قسامت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۵۔ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے والے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۔ دو بستیوں کے درمیان پائے جانے والے مقتول کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۷۔ مختلف زخموں میں قصاص کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ

۸۔ دانت کے اتلاف اور جہاں قصاص نہیں لیا جا سکتا کے معاملہ میں آپؐ کا فیصلہ

۹۔ زانی محصن کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۱۰۔ زنا کے جرم میں یہودیوں کو رجم کیے جانے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۱۱۔ زانی بکر اور مریض پر حد کی سزا نافذ کرنے اور دروں کی ماہیت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۱۲۔ قذف، شراب نوشی اور لواطت کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۱۳۔ متعدد مرتبہ چوری کا ارتکاب کرنے والے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ

۱۴۔ مسلمان، ذمی یا حربی کے رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرنے کے معاملات میں آپ ﷺ کے فیصلے۔

۱۵۔ مشرکین کے اولین مقتول اور مال غنیمت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۱۶۔ جاسوس کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۱۷۔ قیدیوں کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ

۱۸۔ بنو قریظہ و نضیر کے یہودیوں کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ

۱۹۔ فتح مکہ کے موقعہ پر عفو عام کے معاملہ پر آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۰۔ عورتوں کے اموال غنیمت سے حصہ کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۱۔ جنگ میں مقتول کی سلب کا قاتل کے حقدار ہونے اور اس میں سے خمس نکالنے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۲۔ مسلمانوں کے وہ اموال جو اسلام قبول کر لینے والے مشرکین کے پاس ایسا کرنے

سے قبل موجود ہوں کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۳۔ معاہد یا حربی کو ہدیہ دیئے جانے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۴۔ اموال فئ کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ

۲۵۔ اموال بنی نضیر اور خیبر کی اراضی کی تقسیم کے معاملات میں آپؐ کا فیصلہ۔

۲۶۔ سفراء کو قتل نہ کرنے اور کفار کے ساتھ معاہدات کی پابندی کرنے کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۷۔ عورت کو امان دیئے جانے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۸۔ جزیہ کی وصولی وغیرہ سے متعلق معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۲۹۔ باپ کا ثیب عورت کی مرضی کے بغیر اس کے نکاح میں دیئے جانے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۰۔ ایسی عورت جس کے مہر کے تعین اور دخول سے قبل اس کا شوہر انتقال کر جانے کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۱۔ مطلقہ عورت کی عدت، نفقہ اور سکونت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۲۔ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی کے نفقہ کے معاملہ میں آپؐ کا فیصلہ۔

۳۳۔ مہر اور اس کی کم سے کم مقدار کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۴۔ حضرت علیؓ کے حضرت فاطمہؓ کو اپنے عقد میں رکھتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۵۔ ایسا غیر مسلم جس کی بیوی اس سے قبل اسلام قبول کر لیتی ہے اور بعد میں وہ خود بھی مسلمان ہو جاتا ہے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۶۔ نکاح متعہ کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۷۔ بیویوں کے درمیان مساوات کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۸۔ ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جانے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۳۹۔ حائضہ عورت کو طلاق دیئے جانے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۰۔ خلع کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۱۔ ایسی عورت جو طلاق کا دعویٰ کرے اور شوہر اس کے اس دعویٰ کا منکر ہو، کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۲۔ بیوی کو طلاق کا اختیار تفویض کرنے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۳۔ تین طلاقیں پوری ہونے سے قبل مراجعت کر لینے والے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۴۔ حضانت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۵۔ ظہار کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۶۔ لعان کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۷۔ بیع سلم، اختلاف متبایعین اور بیوع میں خیار کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۸۔ بیع میں رد بالعیب اور ضمان کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۴۹۔ دیوالیہ ہو جانے، قیمت کی ادائیگی سے قبل خریدار کی موت واقع ہو جانے اور لاعلمی میں مسروقہ چیز خرید لیے جانے کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۵۰۔ فصلوں کی بربادی، قحط و خشک سالی کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۵۱۔ خرید و فروخت میں دھوکہ دہی اور کھانے پینے کی چیزوں میں رہن کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۵۲۔ خرید و فروخت میں شروط رکھنے اور اجرت پر کاموں کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۵۳۔ گواہوں کی عدم دستیابی کی صورت میں مدعیٰ علیہ سے یمین لینے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۵۴۔ قسم کھانے والے کی کیفیت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔
۵۵۔ بنجر اراضی کو آباد کرنے، پانی کی تقسیم اور طبیب پر ضمان کے معاملات میں

آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۵۶۔ شفعہ کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۵۷۔ مزارعت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۵۸۔ مساقات کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ

۵۹۔ وصیت کے ایک تہائی پر مشتمل ہونے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۰۔ وقف کے مقصد کے لیے کسی چیز کو روکے رکھنے کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۱۔ صدقہ، ثواب کے لیے کیے گئے ہبہ اور زندگی تک وقف کی گئی جائیداد کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۲۔ غلاموں کو آزاد کرنے اور فال کے ذریعہ وصیت کے معاملات میں آپ کا فیصلہ۔

۶۳۔ لقطہ کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۴۔ روپوش شخص کی املاک روکے رکھنے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۵۔ ودائع اور امانات کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۶۔ ادھار لیے گئے اموال میں ضمان کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۷۔ وراثت کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۸۔ بیٹے کو اس کے باپ سے ہی منسوب کرنے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۶۹۔ علم قفہ کے ثبوت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ

۷۰۔ ذوی الارحام کی میراث کے معاملات میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۷۱۔ قاتل کے میراث سے محروم ہونے کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

۷۲۔ مسلمان کی وصیت کے معاملہ میں آپ ﷺ کا فیصلہ۔

اسلامی ریاست کے اولین حکمران کی حیثیت سے حضور نبی کریم ﷺ کے انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق یہ فیصلے اس خاص موضوع پر لکھی جانے والی بعض اور مستند کتب میں آپ کے جمع شدہ فیصلے(۳۰) اور حدیث و سیر کے مختلف ابواب میں منتشر

آپ ﷺ کے دیگر فیصلے جہاں نظام قضاء کے قیام کے لیے ایسے قواعد و ضوابط مہیا کرتے ہیں جن سے راہنمائی حاصل کر کے اسلامی ریاست میں نظام قضاء کو منظم کیا جا سکتا ہے۔ وہاں اس امر کی بھی نشان دہی کرتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے کرنے کی ذمہ داری براہ راست اسلامی ریاست کے حکمران پر عائد ہوتی ہے اور بنیادی طور پر اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونا ریاست کے حکمران ہی کے اولین واجبات میں سے ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے دور ہی میں جب اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوگئیں اور ریاست کے حکمران کے لیے دیگر اہم تر امور ریاست کے ساتھ اس ذمہ داری کو بھی جمع رکھنا مشکل ہوگیا تو آپ ﷺ نے بعض ایسے صحابہ کرام کو جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور فہم و فراست میں منفرد مقام کے حامل تھے۔ مختلف علاقوں اور بعض اوقات اشخاص کے درمیان جنم لینے والے تنازعات میں تصفیہ کے لیے قاضی کا منصب تفویض کیا اور اس طرح اپنے عمل سے اسلامی ریاست میں قضاء کے ایک مستقل نظام کے قیام کے لیے راہنمائی فراہم کی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اسلامی ریاست کے اولین حکمران کی حیثیت سے بذیل صحابہ کرامؓ کو ریاست کے مختلف علاقوں کے لیے قاضی کا منصب تفویض فرمایا:

۱۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب

حضور نبی کریم ﷺ نے خلیفہ چہارم حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یمن کے علاقہ کے لیے قاضی کا منصب تفویض کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ ذمہ داری تفویض کرنے کا ارادہ فرمایا تو میں نے گذارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے یہ منصب تفویض فرمارہے ہیں، حالانکہ میں نو عمر ہوں اور ابھی قضاء کے منصب کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے میرا علم بھی پختہ نہیں ہوا تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ آپ کے دل کو روشن اور زبان کو موثر بنائے گا" اور پھر یہ ہدایت فرمائی کہ "جب کسی معاملہ کے فریقین آپ کی عدالت میں پیش ہوں تو کسی ایک کو ہی سن کے فیصلہ نہ کر دینا جب تک کہ فریق ثانی کو بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح فریق اول کو سنا تھا۔ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کو خود بخود قضاء کی ذمہ داری نبھانے کا ڈھنگ آجائے گا اور آپ کو صحیح فیصلہ تک

پہنچنے میں مدد ملے گی"۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا اور بعد میں مجھے بحیثیت قاضی کبھی اپنے کیے کسی فیصلے کے بارے میں تردد نہیں ہوا۔(۳۱)

۲۔ حضرت معاذؓ بن جبل(۳۲)

رسول کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو بھی اہل یمن کے لیے قاضی کا منصب تفویض فرمایا اور یہ منصب سنبھالنے کے لیے حضرت معاذؓ کی یمن روانگی سے قبل آپ سے یہ دریافت فرمایا کہ "آپ لوگوں کے درمیان کس طرح فیصلے فرمائیں گے؟"۔ حضرت معاذؓ نے جواباً عرض کی کہ میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے کروں گا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ "اگر کتاب اللہ میں مطلوبہ معاملہ نہ مل پائے تو کیا کرو گے؟" حضرت معاذؓ نے جواباً گذارش کی کہ پھر میں سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنے فیصلے کی بنیاد بناؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اگر سنت میں بھی اس معاملہ کے لیے کوئی حکم نہ مل پائے تو؟ اس پر حضرت معاذؓ نے عرض کی کہ پھر میں اجتہاد کر کے اپنی رائے کے ذریعے فیصلہ کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں برتوں گا۔ حضرت معاذؓ بن جبل کا یہ جواب سننے پر آپ ﷺ نے اپنے رب کا شکر بجا لایا کہ اس نے آپ ﷺ کے نمائندے کو منصب قضاء کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے اس طرح کی سوچ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔(۳۳)

۳۔ حضرت عتابؓ بن اَسَیّد(۳۴)

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عتابؓ بن اسید کو مکہ مکرمہ کے لیے قاضی کا منصب تفویض کیا اور یہ ذمہ داری نبھانے کے لیے جائے تعیناتی پر روانگی سے قبل آپ ﷺ نے حضرت عتابؓ کو یہ ہدایت فرمائی کہ "لوگوں کو ان اموال کی خرید و فروخت سے منع کرو جو ان کے قبضہ اور اختیار میں نہ ہوں اور انہیں ایسی اشیاء سے نفع کمانے سے روکو جن کے اتلاف کی صورت میں ان کے ضمان کی ذمہ داری وہ قبول نہ کر سکیں۔(۳۵)

۴۔ حضرت عمرو بن العاص(۳۶)

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ دو اشخاص کے درمیان جنم لینے والے تنازعہ کا تصفیہ حضرت عمرو بن العاص کو تفویض فرمایا۔ حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو متخاصم فریقوں نے اپنا مقدمہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں فیصلہ کرنے کے لیے پیش کیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے عرض کی کہ اگر میں نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا تو مجھے اس کا کیا صلہ ملے گا؟۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر آپ نے ان کے درمیان درست فیصلہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو دوگنا اجر ملے گا اور اگر آپ نے اجتہاد کیا مگر اس کے باوجود درست فیصلہ تک نہ پہنچ پائے تو پھر بھی آپ اس کے اجر سے محروم نہیں رہیں گے۔(۳۷)

اسلامی ریاست کے اولین حکمران کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے ان جلیل القدر صحابہ کے علاوہ مختلف اوقات میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود،(۳۸) حضرت زیدؓ بن ثابت،(۳۹) حضرت معقلؓ بن یسار(۴۰) اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ(۴۱) کو بھی قاضی کا منصب تفویض فرمایا۔ علاوہ ازیں سیر و احادیث کی کتب میں بہت سے ایسے شواہد ملتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے وقتاً فوقتاً پیش ہونے والے مقدمات میں فیصلہ کرنے کی ذمہ داری اپنے جلیل القدر اصحاب میں سے ان کو تفویض فرمائی جو اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے(۴۲) ان شواہد سے یہ راہنمائی بھی ملتی ہے کہ جہاں نبی کریم ﷺ کو اس منصب پر تقرری کے لیے اختیار کردہ شخص کی اس منصب کے لیے اہلیت میں کوئی تردد ہوا وہاں آپ ﷺ نے ایسے شخص کی اس منصب کے تقاضوں کو نبھانے کی اہلیت جانچنے کا باقاعدہ امتحان لیا جیسا کہ حضرت معاذؓ بن جبل کو اہل یمن کے لیے قاضی کا منصب تفویض کرنے سے قبل آپ ﷺ نے کیا۔ علاوہ ازیں ان شواہد سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس منصب کی ذمہ داریوں کو خود نبھایا اور اسلامی

ریاست کی حدود میں توسیع کے بعد مختلف علاقوں کے انتظام و انصرام کے لیے بھیجے جانے والے عمال کی بنیادی اور اولین ذمہ داری اس منصب کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا ہی مقرر کی اگرچہ ان عمال کو دیگر انتظامی امور کی دیکھ بھال بھی سپرد کی گئی مگر ان کی تقرری کا بنیادی مقصد اور غرض و غایت ہمیشہ اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہی رہا۔

اجماع امت سے استدلال

قرآن و سنت کی واضح نصوص اور نبی کریم ﷺ کے اسلامی ریاست کے اولین حکمران کی حیثیت میں 'منصب قضاء' سے بھی عہدہ برآ ہونے کے ان گنت عملی شواہد کی روشنی میں امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ چونکہ اسلامی ریاست میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کی ذمہ داری ریاست کی اولین ذمہ داریوں میں سے ہے اس لیے ریاست کا حکمران ہی اس ذمہ داری کو نبھانے کا پابند ہے۔(۴۳) امت کے اس اجماع کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد اسلامی ریاست کے حکمران کی حیثیت میں آپؐ کے خلفاء بھی خود اس منصب کی ذمہ داریوں کو اسی طرح نبھاتے اور بوقت ضرورت اس منصب کے اہل افراد کو یہ ذمہ داریاں تفویض فرماتے رہے جس طرح کہ حضور نبی کریم ﷺ نے کیا۔ چنانچہ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق بکثرت روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو آپ اس کے حل کے لیے کتاب اللہ سے رجوع فرماتے اور اگر کتاب اللہ سے آپ کو اس معاملہ میں راہنمائی مل جاتی تو آپ اس کی روشنی میں فیصلہ فرما دیتے لیکن اگر کتاب اللہ میں کوئی واضح حکم نہ مل پاتا تو آپ سنت رسول ﷺ میں اس کا حل تلاش فرماتے اور اس کی روشنی میں مقدمہ کا فیصلہ فرما دیتے لیکن اگر پیش آمدہ معاملہ میں آپ کو سنت رسول ﷺ سے کوئی واضح راہنمائی حاصل ہوتی نظر نہ آتی تو اس صورت میں آپ عامۃ المسلمین کو جمع کر کے انہیں مقدمہ کی تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد فرماتے کہ: چونکہ مجھے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں اس کے حل کے لیے کوئی حکم نہیں مل پایا اس لیے آپ سے یہ دریافت کر رہا ہوں کہ شائد آپ میں سے کسی کو اس طرح کے مقدمہ کے ضمن میں حضور نبی کریم ﷺ

کے کسی فیصلے کا علم ہو۔ اگر حاضرین میں سے کوئی اس ضمن میں حضور نبی کریم کی سنت سے آپ کو آگاہ کرتا تو آپ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے کہ مسلمانوں میں ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں اپنے نبی ﷺ کی سنت ازبر ہے۔ پھر اگر اس ساری کاوش کے باوجود بھی آپ کو مقدمہ کے فیصلہ تک پہنچنے میں کوئی راہنمائی نہ ملتی تو آپ اہل حل و عقد مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرماتے اور جس امر پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فیصلے فرما دیتے۔ اس طرح خلیفہ ثانی عمر بن خطابؓ سے متعلق بھی مستند روایات یہ نشاندہی کرتی ہیں کہ آپ نے مقدمات کے فیصلے میں اپنے پیش رو کے اختیار کردہ عمل کو جاری رکھا۔ تاہم جہاں اس عمل سے گزر کر بھی آپ کسی مقدمہ کے فیصلہ تک پہنچنے میں دشواری محسوس فرماتے تو پھر اہل حل و عقد کی مشاورت سے قبل آپ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلوں سے راہنمائی لیتے اور اگر خلیفہ اول کے کسی فیصلے سے راہنمائی مل جاتی تو آپ اس کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے اور اگر ان سے بھی کوئی راہنمائی نہ ملتی تو پھر آپ اہل حل و عقد مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرماتے اور جس امر پر اتفاق ہو جاتا اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیتے،(۴۴) خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ نے بھی مقدمات کے فیصلوں میں اپنے پیش رو خلفاء کے طریقہ کار کو جاری رکھا۔(۴۵) جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قضاء کے منصب کی ذمہ داریوں کو نبھانا بنیادی طور پر اسلامی ریاست کے حکمران کے اولین واجبات میں سے ہے اور اگر وہ دیگر اہم تر امور میں اشغال کے باعث اس ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا تو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ ذمہ داری ایسے افراد کو تفویض کرے جو اس کی اہلیت کے حامل ہوں جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں جب اسلامی ریاست کی حدود ابھی زیادہ وسیع نہیں ہوئی تھیں، اسلامی ریاست کے حکمران منصب قضاء کی ذمہ داریاں خود نبھاتے رہے اور ضرورت پڑنے پر اہل اور مستحق افراد کو یہ فریضہ تفویض بھی کرتے رہے۔ مگر جب اسلامی ریاست کی حدود مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں دور دور تک پھیل گئیں اور مختلف تہذیب و ثقافت کے حامل لاکھوں افراد جوق در جوق امت مسلمہ کا حصہ بنتے چلے گئے تو اسلامی ریاست کے حکمران کی ذمہ داریوں میں بھی

خاطر خواہ اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس کے لیے عملاً یہ بات ممکن نہ رہی کہ وہ نظام حکومت اور امور سلطنت چلانے کے ساتھ ساتھ قضاء کی ذمہ داریاں بھی نبھائے۔ اس طرح اسلامی ریاست کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں دور دور تک پھیل جانے کی وجہ سے ریاست کے شہریوں کے لیے بھی یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اپنے تصفیہ طلب معاملات براہِ راست ریاست کے حکمران ہی تک پہنچائیں۔ چنانچہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت، مظلوم کی حق رسی اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اسلامی ریاست میں قضاء کا ایک مستقل نظام قائم کر دیا جائے اور اس نظام کے تحت ریاست کے تمام علاقوں میں قضاۃ کا تقرر ہو جو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے میں ریاست کے حکمران کی طرف سے تفویض شدہ اختیارات استعمال کریں اس ضرورت کے تحت سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اسلامی ریاست میں ان ہی خطوط پر قضاء کا مستقل نظام قائم کیا جو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک عہد میں اس ضمن میں متعین فرمائے تھے اور پوری اسلامی ریاست میں قضاء کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ علامہ ابن خلدون (۴۶) "مقدمہ" میں رقم طراز ہیں :

> جہاں تک قضاء کے منصب کا تعلق ہے تو یہ خلافت ہی کے تحت آنے والے مناصب میں سے ایک ہے اس لیے کہ لوگوں کے باہمی خصومات میں فیصلہ کرنے اور کتاب و سنت کی روشنی میں شریعت کے احکامات کے ذریعے تنازعات کا خاتمہ کرنے کا فریضہ قضاء کے سپرد ہے۔ اس لیے قضاء کا فریضہ بھی خلیفہ وقت کے مجملہ دیگر فرائض میں سے ایک تھا اور ابتدائی اسلامی دور میں خلفاء راشدین خود اسے سرانجام دیتے رہے۔ بعد میں جب ضرورت محسوس کی گئی تو سب سے پہلے جس نے قضاء کا مستقل نظام قائم کیا اور قضاء کے اختیارات دوسروں کو تفویض کیے وہ حضرت عمرؓ تھے جنھوں نے حضرت ابو الدرداء (۴۷) کو مدینہ منورہ، حضرت شریح (۴۸) کو کوفہ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو بصرہ کے

لیے قاضی مقرر فرمایا"۔(۴۹)

خلیفہ دوئم حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت میں قضاء کے باقاعدہ اور مستقل نظام دھارنے کے بعد خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں اسلامی ریاست کے مختلف صوبوں کے عمال کو بھی قضاۃ کے تقرر کا اختیار تفویض کیا گیا۔ چنانچہ مصر کے گورنر(۵۰) کے لیے اس ضمن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بذیل ہدایات اسی جانب راہنمائی کرتی ہیں:

"پھر ملک میں انصاف قائم کرنے کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا جو تمہاری نظر میں سب سے افضل ہیں۔ ہجوم معاملات سے تنگ دل نہ ہوتے ہوں اپنی غلطی پر اڑے رہنا ہی ٹھیک نہ سمجھتے ہوں اور حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد باطل سے چمٹے نہ رہتے ہوں، طماع نہ ہوں، اپنے فیصلوں پر غور کرنے کے عادی ہوں، فیصلے کے وقت شکوک و شبہات پر رکنے والے ہوں، صرف دلائل کو اہمیت دیتے ہوں، مدعی اور مدعا علیہ سے بحث میں اکتا نہ جاتے ہوں، واقعات کی تہہ تک پہنچنے سے جی نہ چراتے ہوں اور حقیقت کھل جانے پر اپنے فیصلے میں بے باک اور بے لاگ ہوں یہ ایسے لوگ ہوں جنہیں نہ تعریف بے خود کر دیتی ہو، نہ چاپلوسی ہی مائل کر سکتی ہو مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ اپنے قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ کرتے رہو، کھلے دل سے انہیں معاوضہ دو تاکہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور کسی کے سامنے انہیں ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اپنے دربار میں انہیں ایسا درجہ دو کہ تمہارے کسی مصاحب اور درباری کو ان پر دباؤ ڈالنے یا انہیں نقصان پہنچانے کے ہمت نہ ہو سکے۔ قاضیوں کو ہر قسم کے خوف سے بالکل آزاد ہونا چاہیے۔ اس بارے میں پوری توجہ سے کام لینا، کیونکہ دین اشرار کے ہاتھ میں پڑ گیا تھا جو اپنی خواہشوں پر چلتے اور دین کے نام پر

دنیا کمایا کرتے تھے" (۵۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مصر کے گورنر کو جاری کی گئی ان ہدایات سے یہ راہنمائی بھی ملتی ہے کہ اسلامی ریاست میں قضاء کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا وہ فرض جو بنیادی طور پر ریاست کے حکمران پر عائد ہوتا ہے اور جسے ضرورت اور مصلحت کے تحت وہ دوسروں کو تفویض کر سکتا ہے میں دوسروں کو تفویض کی صورت میں ریاست کا سربراہ اس امر کا پابند ہے کہ وہ اس اہم اور خطرناک منصب کو کسی ایسے شخص کے سپرد نہ کرے جو اس منصب کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ سربراہ ریاست کسی شخص کو صرف قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیے مطلوب شروط کا حامل ہونے پر ہی قاضی مقرر کرنے کا مجاز نہیں بلکہ اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے بہتر سے بہتر شخص کو قاضی مقرر کرے جن میں قضاء کی اہلیت کے لیے مطلوب شروط موجود ہوں۔ اگر سربراہ ریاست نے قضاء کے منصب کے لیے اہلیت کی شروط کے حامل اشخاص میں سے کسی بہتر شخص کی موجودگی میں اس سے کمتر کو یہ منصب سپرد کیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے حضرت ابوبکرؓ سے مروی اس فرمان کہ " جسے مسلمانوں پر حکومت ملی اور اس نے اپنی پسند و ناپسند کے مطابق کسی کو کوئی منصب تفویض کیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور قیامت کے دن اللہ تعالی اس کی کوئی حیل و حجت قبول نہیں فرمائے گا اور اسے جہنم میں داخل کرے گا"(۵۲) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی اس فرمان کہ " جس نے ایک گروہ میں سے کسی شخص کو اس گروہ پر کوئی منصب عطا کیا حالانکہ اس گروہ میں کوئی ایسا فرد بھی موجود تھا جو اس منصب کا زیادہ اہل تھا تو اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے ساتھ خیانت برتی"(۵۳) اور اس ضمن میں قرآن و سنت کی دیگر واضح نصوص کی روشنی میں اپنی دنیا و آخرت کی رسوائی اور بربادی کا اندازہ وہ خود کر سکتا ہے۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ الطرابلسی(۵۴) فرماتے ہیں کہ " امام کو چاہیے کہ کسی شخص کو یہ منصب سپرد کرنے سے قبل اچھی طرح تسلی کر لے اور خود اپنی پسند و ناپسند کے مطابق کسی کو یہ منصب نہ سونپے اور اس طرح کا کوئی بھی منصب کسی

کو تفویض کرنے سے اس کا مقصود سوائے اللہ تعالی کی رضا کے اور کچھ نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ : "جس حکمران نے کسی امارت یا قضاء کا منصب سونپنے میں اپنی پسند و ناپسند کو ملحوظ رکھا تو اس طرح اس منصب پر مقرر کیے گئے شخص کی تمام گناہوں کا نصف بوجھ اسے یہ منصب تفویض کرنے والے کے سر ہوگا اور جس حکمران نے کسی کو امارت یا قضاء کا منصب امت مسلمہ کی بھلائی اور بہتری کو پیش نظر رکھ کر تفویض کیا تو اس طرح اس منصب پر مقرر شخص اللہ تعالی کی فرمانبرداری اور اطاعت میں جو کام بھی کرے گا اس کے مقرر کرنے والا حاکم اس کام کے ثواب میں تو اس کا برابر کا شریک ہوگا مگر اس کی لغزشوں کے گناہوں میں اس حاکم کا کوئی حصہ نہ ہوگا"(۵۵)

عقلی استدلال

اسلامی ریاست میں قاضی کا منصب انتہائی غیر معمولی اہمیت کا حامل منصب ہے۔ اس لیے کہ اس منصب کی ذمہ داریوں میں شہریوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے امن و سکون میں مخل ہونے والوں کی بیخ کنی، تنازعات و مخاصمات کا خاتمہ، ظالموں کی سرکوبی، مظلوموں کی داد رسی اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا نفاذ جیسے خطیر امور شامل ہیں۔ اس لیے عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان امور کو نپٹانے کا فریضہ ریاست کی سب سے مقتدر ہستی ہی سر انجام دے۔(۵۶) اور اگر وہ خود اس فریضہ کو سرانجام دینے سے قاصر ہو تو اس کی ادائیگی اسلامی ریاست کے شہریوں میں سے ایسے افراد کو تفویض کرے جن کی اس منصب کے لیے اہلیت اور قابلیت ہر لحاظ سے مسلمہ ہو۔ سربراہ ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی شخص کا اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور فہم و فراست میں دوسروں سے ممتاز ہو کر اس منصب کا زیادہ اہل ہونے کی صلاحیت جانچنے کا جو بھی طریقہ کار وضع کرے وہ صاف و شفاف، ہر قسم کے شک و شائبہ سے پاک اور عامۃ المسلمین کے لیے قابل اعتماد اور قابل قبول ہو۔

قرآن کریم، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور عقل و خرد سے اسلامی ریاست کے حکمران کا ریاست میں نظام قضاء کے ضمن میں کردار متعین ہو جانے کے بعد بذیل سطور

میں بعض ایسی صورتوں میں قضاۃ کی تقرری کی شرعی حیثیت کی نشاندہی کی جاتی ہے جو کسی بھی اسلامی ریاست کو پیش آسکتی ہیں۔

اولاً: عامۃ المسلمین کے اتفاق سے قاضی کی تقرری

اگرچہ اسلامی ریاست میں قضاء کی اوّلین ذمہ داری ریاست کے حکمران پر عائد ہوتی ہے اور وہ خود اس سے عہدہ برآنہ ہو سکنے کی صورت ہی میں اسے دوسروں کو تفویض کر سکتا ہے۔ تاہم کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حکمران نہ تو خود اس ذمہ داری کو نبھائے اور نہ ہی اسلامی ریاست کے کسی خاص حصہ میں اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے کسی کو یہ منصب تفویض کرے بلکہ اس علاقہ کے عامۃ المسلمین کسی ایسے شخص کو جس میں قاضی کے منصب کے لیے مطلوب جملہ شروط موجود ہوں اور وہ اس منصب کی ذمہ داریاں نبھانے کی اہلیت رکھتا ہو قاضی مقرر کرنے پر اتفاق کر لیں۔ فقہاء اسلام عامۃ المسلمین کی طرف سے ایسے حالات میں کسی اہل شخص کی اس طرح سے تقرری کو اس شرط پر جائز قرار دیتے ہیں کہ یہ تقرری کسی وقتی ضرورت اور فوری تصفیہ طلب معاملہ کے لیے ہونی چاہیئے ضرورت ختم ہونے پر تقرری کالعدم ہو جائے گی۔ اور اس طرح سے مقرر کیے جانے والے قاضی کے کسی فیصلہ کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔ قاضی ابن فرحون المالکی(۵۷) فرماتے ہیں، قضاء کا منصب دو طریقوں سے کسی کو تفویض کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس طرح کہ اسلامی ریاست کا حکمران یا اس کا نائب قاضی مقرر کرے اور دوسرا اس طرح کہ صاحب رائے اور علم و معرفت اور عدالت کے اوصاف سے متصف لوگ کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر کریں جس میں قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیے تمام شروط پائی جاتی ہوں۔ لیکن دوسری صورت میں قاضی کا تقرر صرف وہاں ہی جائز ہو سکتا ہے، جہاں لوگوں کا ریاست کے حکمران کو قاضی مقرر کرنے کے لیے مطالبہ کرنا ممکن نہ ہو۔ چنانچہ اس صورت میں بھی صاحب رائے اور علم و فضل اور عدالت کے اوصاف سے متصف لوگوں کو کسی کو قاضی مقرر کرنا درحقیقت ریاست کے سربراہ یا اس کے نائب کے تقرر کا قائمقام ہوگا، لیکن یہ تقرری عارضی ہوگی اور مطلوبہ ضرورت ختم ہونے پر خود بخود ختم ہو جائے گی"(۵۸)

علامہ ابو الحسن الماوردی(۵۹) لکھتے ہیں کہ "کسی جگہ قاضی نہ ہونے کے باعث اس شہر کے لوگ باہم اتفاق سے قاضی مقرر کر دیں تو اگر ریاست کا حکمران موجود ہو تو یہ تقرری باطل تصور ہوگی لیکن اگر ریاست کا حکمران ہی نہ ہو تو اس طرح کی تقرری درست ہوگی۔ اور اس قاضی کے احکامات قابل تنفیذ ہوں گے۔ پھر اگر ریاست کا حکمران مقرر ہو جائے تو اس سے ایسے قاضی کی تقرری کی توثیق ضروری ہوگی۔ چنانچہ ریاست کے حکمران کی توثیق اور منظوری کے بغیر وہ بطور قاضی فرائض سرانجام نہیں دے سکے گا۔ تاہم اس ریاست کے حکمران کے تقرر سے قبل اس قاضی نے جو بھی فیصلے کیے ہوں گے وہ بحال رہیں گے اور انہیں رد نہیں کیا جا سکے گا"۔(۶۰)

ثانیاً: ظلم و جبر میں معروف حکمران کی طرف سے قاضی کی تقرری

قرآن و سنت کی واضح نصوص اسلامی ریاست کے حکمران کو اس امر کا مکلف کرتی ہیں کہ احکام شریعت کی پابندی میں اس کا ذاتی کردار اس کی رعایا کے لیے قابل تقلید نمونہ ہو، اس کے جملہ اقوال و افعال شریعت کے اوامر و نواہی کے تابع ہوں، اس کے عدل و انصاف پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے اور اس کی شخصیت ہر لحاظ سے مثالی ہو۔ تاہم کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سربراہ ریاست میں یہ اوصاف نہ پائے جاتے ہوں بلکہ وہ اپنے ظلم و جبر اور فسق و فجور سے ہی پہچانا جاتا ہو تو ایسے شخص کی قضاء کے منصب پر تقرری کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ جمہور فقہاء اسلامی کے نزدیک جس طرح ایک نیک سیرت، پابند شریعت اور عدل و انصاف میں معروف حکمران قاضی کے منصب کے لیے مطلوب اہلیت کے حامل کو یہ منصب تفویض کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ظالم و جابر اور اپنے فسق و فجور میں معروف حکمران بھی اس منصب کی اہلیت کے حامل کو یہ منصب تفویض کر سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں قاضی کا منصب حاصل کرنے والا شخص اس شرط پر یہ منصب قبول کرے گا کہ اسے یہ منصب تفویض کرنے والا حکمران اسے اپنے فیصلوں میں ظلم و ناانصافی پر مجبور نہیں کرے گا اور اس تقرری سے حکمران کا مقصود ظلم و ناانصافی میں اس کی اعانت نہیں ہوگا (۶۱)، چنانچہ

سلف صالحین رضوان اللہ علیہم نے امت مسلمہ کی خیر و بھلائی اور اس کی صلاح و بہتری کے لیے یزید بن معاویہ[۶۲] اور حجاج بن یوسف[۶۳] جیسے حکمرانوں سے بھی اس منصب کی تفویض قبول فرمائی جن کا فسق و فجور اور ظلم و جبر معروف و مسلّم تھا اور انھوں نے ان حکمرانوں سے بھی یہ منصب حاصل کرنے کو ناجائز نہیں ٹھہرایا۔ نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے وقت کے کافر حکمران سے ایک اعلیٰ منصب کی تفویض نہ صرف قبول فرمائی بلکہ انسانیت کی فلاح و بہتری کے لیے قرآن کریم کے ان الفاظ میں اس سے یہ منصب طلب فرمایا کہ

"إجعلنى على خزائن الارض إنّى حفيظ عليم"[۶۴]

فقہاء مالکیہ کے نزدیک کسی ایسے حکمران کا قضاء کے منصب کی تفویض کرنا اور کسی مسلمان کا اسے قبول کرنا جائز نہیں جو اپنے فسق و فجور اور ظلم و جبر میں معروف ہو، ان کا یہ استدلال ہے کہ جب ظالم و جابر اور فاسق و فاجر خود یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ اس منصب کی ذمہ داریاں نبھا سکے تو یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو یہ منصب تفویض کرے۔ چنانچہ ایسے حکمران سے منصب قضاء کی تفویض اور کسی کے لیے اس منصب کا قبول کرنا جائز نہیں ہوگا۔[۶۵]

میری رائے میں جمہور فقہاء اسلام کا قول امت مسلمہ کے مفاد اور مصلحت سے قریب تر ہونے کے باعث قابل ترجیح ہے۔ جہاں تک فقہاء مالکیہ کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ ظالم و جابر اور فاسق و فاجر حکمران چونکہ خود اس منصب کی ذمہ داریاں نبھانے کا اہل نہیں اس لیے وہ دوسروں کو بھی یہ ذمہ داری تفویض نہیں کر سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ریاست کا حکمران ریاست کے عوام کا نمائندہ ہوتا ہے اور اپنے عوام کی فلاح و بہبود اور صلاح و بہتری کے لیے اس کی طرف سے اٹھایا جانے والا ہر قدم درحقیقت عامۃ المسلمین کے جذبات اور خواہشات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور ریاست میں امن و استقرار کا قیام، ظلم و ناانصافی کا خاتمہ اور عدل و انصاف کی فراہمی عامۃ المسلمین کی خواہشات میں سرفہرست اُمور ہیں۔ اس لیے کوئی ایسا حکمران جو اپنے ظلم و جبر اور فسق و فجور میں معروف ہو اگر ایک اہل و باصلاحیت

شخص کو قاضی کا منصب تفویض کر کے عامۃ المسلمین ہی کی خواہشات کی ترجمانی کرتا ہے تو اس کی یہ تفویض درست اور ایسے شخص کا قاضی کے منصب کو قبول کرنا جائز ہوگا۔

ثالثاً: اپنے مقرر شدہ قاضی کی عدالت میں حکمران کی پیشی

یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اسلامی ریاست میں قضاء کے منصب کی ذمہ داریاں بنیادی طور پر ریاست کے حکمران پر عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآنہ ہو سکنے کی صورت ہی میں وہ اس منصب کی اہلیت پر پورا اترنے والوں کو یہ ذمہ داریاں تفویض کر سکتا ہے، تاہم کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حکمران کو بطور مدعی یا مدعی علیہ اسی قاضی کی عدالت میں پیش ہونا پڑے جس کو خود اس نے قضاء کی ذمہ داری تفویض کی ہو۔ فقہاء نے ایسی صورت میں حکمران کے اس قاضی کی عدالت میں پیش ہونے کو صحیح اور جائز قرار دیتے ہوئے یہ دلیل دی ہے کہ قاضی کا تقرر معاشرے کے مجموعی مفاد اور عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے عمل میں لایا جاتا ہے اور حکمران خود بھی اس معاشرے کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے مقرر کیے ہوئے قاضی کی عدالت میں بطور مدعی یا مدعی علیہ اس کی پیشی بالکل اسی طرح صحیح اور جائز ہے، جس طرح معاشرے میں رہنے والے کسی بھی دوسرے شخص کی۔(۶۶) تاریخ اسلام میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں حکمران نہ صرف اپنے مقرر کیے ہوئے قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے بلکہ انھوں نے اپنے خلاف صادر ہونے والے فیصلوں کو نافذ بھی کیا۔ خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہُ سے روایت ہے کہ آپ اپنے مقررہ قاضی حضرت شریح بن الحارثؒ کی عدالت میں پیش ہوئے اور اس مقدمہ کے گواہ آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ(۶۷) اور غلام قنبر (۶۸) تھے۔ حضرت شریحؒ نے خلیفہ وقت سے جب حضرت حسنؓ کی جگہ کوئی اور گواہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا آپ نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ(۶۹) کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ "یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں"(۷۰)

اپنے مقرر شدہ قاضی کی عدالت میں حکمران کی پیشی پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قاضی کے منصب کی ذمہ داریاں نبھانے میں حکمران کا وکیل ہوتا ہے اور اس حیثیت سے اپنے مؤکل کے لیے اس کی قضاء درست نہیں۔ اس لیے کہ قاضی دیگر شخصی حقوق میں وکالت کی طرح حکمران کے جملہ اختیارات کے استعمال میں اس کا وکیل نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف ان تفویض شدہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں اس کا وکیل ہوتا ہے، جو قضاء کے ضمن میں حکمران اسے امت مسلمہ کے نمائندے اور قائد کی حیثیت میں تفویض کرتا ہے۔

رابعاً: حکمران کا منصب قضاء کی تفویض کے باوجود اس ذمہ داری کو نبھانا

ہم نے اس بحث میں یہ امر واضح کر دیا ہے کہ اسلامی ریاست میں منصب قضاء کی ذمہ داریاں نبھانا۔ درحقیقت حکمران ہی کی اولین ذمہ داریوں اور واجبات میں سے ہے اور اس کے خود ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہ ہو پانے کی صورت میں ہی وہ دوسروں کو یہ ذمہ داری تفویض کر سکتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حکمران اس منصب کی اہلیت پر پورا اترنے والے افراد کو اس کی تفویض کے باوجود امت مسلمہ کی صلاح و بہتری اس کے وسیع تر مفاد اور مصلحت عامہ کے تحت کسی خاص مدت یا بعض خاص معاملات میں قاضی کی ذمہ داریاں خود نبھائے تو یہ قرآن و سنت کی روح کے مطابق اور جائز و درست ہوگا۔ (۷۱)

حوالہ جات

۱۔ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ ص ۲ (دارالکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ الثانیہ)، جماعۃ من علماء الہند: الفتاوی العالمگیریۃ المعروف بالفتاوی الہندیۃ، ج ۳ ص ۳۰۸، (المطبعۃ الامیریۃ، القاہرۃ الطبعۃ الثانیہ)، محمد بن عبدالرحمان الطرابلسی المقبری المعروف بالخطاب، مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل، ج ۶، ص ۹۹ (مکتبہ النجاح، طرابلس، لیبیا) ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی: ادب القاضی، ج ۱ ص ۱۳۷ (مطبعۃ الثانی، بغداد)، محمد نجیب المطیعی: المجموع شرح المہذب، التکملۃ، ج ۱۹ ص ۹۰۸ (المکتبۃ العالمین، مصر الطبعۃ الاولی)، شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الخطیب: مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، ج ۴ ص ۳۷۳

(دارالفکر، البیروت)، عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی: المغنی علی مختصر الخرقی، ج۹ ص۳۴ (مطبعۃ دارالمنار، الطبعۃ الثالثہ) منصور بن یونس بن ادریس البہوتی کشاف القناع عن متن الاقناع، ج۶ ص۲۸۶ (مکتبۃ المصر الحدیثیۃ۔ الریاض)

۲۔ سورۃ المائدۃ، آیت ۴۹

۳۔ سورۃ النساء، آیت ۱۰۵

۴۔ سورۃ المائدۃ، آیت ۴۲

۵۔ سورۃ النحل، آیت ۹۰

۶۔ سورۃ النساء ، آیت ۱۳۵

۷۔ سورۃ المائدہ، آیت ۸

۸۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۵۲

۹۔ سورۃ النساء، آیت ۵۸

۱۰۔ سورۃ ص، آیت ۲۶

۱۱۔ سورۃ الحجرات، آیت ۹

۱۲۔ سورۃ الرحمان، آیت ۹

۱۳۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲۶

۱۴۔ سورۃ یوسف، آیت ۷۹

۱۵۔ سورۃ ص، آیت ۲۶

۱۶۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۷۹

۱۷۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور بہت جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کو علم کا سمندر کہا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ "رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والے علم کو ان کی امت میں سے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابن عباسؓ ہیں"۔ آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی"۔
دیکھیے۔ الاستیعاب، ترجمہ ۱۵۸۸، الاصابہ، ترجمہ ۴۷۸، تہذیب التہذیب ۲۷۶/۵۔

۱۸۔ امور نکاح سے متعلق آپ ﷺ کے اس فیصلے کی روایت کے لیے دیکھیے: ابو داوٗد کتاب الطلاق حدیث۔ ۲۲۳۸، ابن ماجہ، کتاب النکاح، حدیث ۲۰۰۸، الحاکم، کتاب الطلاق ۲۰۰/۲، الحاکم حدیث کی روایت کے بعد اسے صحیح الاسناد قرار دیتے ہیں اور علامہ الذہبی بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

۱۹۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عمر بن الخطاب العدوی تھا اور جلیل القدر صحابی تھے۔ بچپن ہی میں اسلام قبول کیا اور اپنے والد امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی۔ بہت وسیع علم کے مالک اور انتہائی اعلیٰ درجہ کے زاہد و متقی تھے۔ مشہور محدث ابو سلمہ بن عبدالرحمان کا قول ہے کہ "حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمر جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ علم و فضل میں اپنے والد حضرت عمر کی طرح تھے، تاہم حضرت عمرؓ کے دور میں ان کے پائے کے اور لوگ بھی تھے مگر حضرت ابن عمر نے جس دور میں زندگی بسر کی اس میں ان کے پائے کا اور کوئی نہیں تھا"۔ آپ کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔

دیکھیے : الاستیعاب، ترجمہ ۱۶۱۲، الاصابہ، ترجمہ ۴۸۳۴، تہذیب التہذیب، ۳۲۸/۵۔۳۳۱۔

۲۰۔ روایت کے لیے دیکھیے : مسند الامام احمد ۱۸۲/۲، ابو داؤد کتاب الطلاق حدیث ۲۲۷۶، الحاکم کتاب الطلاق، ۲۰۷/۲، حاکم حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیتے ہیں۔ اور علامہ الذہبی بھی ان کی تائید فرماتے ہیں۔

۲۱۔ ان کا اسم گرامی عبدالرحمان بن صخر الدوسی تھا۔ آپ نے غزوہ خیبر والے سال اسلام قبول فرمایا اور پھر ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ حضورؐ کے صحابہ میں سے آپ کو سب سے زیادہ احادیث یاد تھیں۔ ابو ہریرہؓ کے لقب سے اس لیے مشہور ہوئے کہ آپ ہمیشہ اپنے پاس بلی اٹھا رکھتے تھے۔ ایک دن حضور ﷺ نے پیار سے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "یا ابا ہریرہ" یعنی اے بلی کے باپ۔ آپ کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی۔

دیکھیے : الاستیعاب، ترجمہ ۳۲۰۸، الاصابہ، باب الکنی ترجمہ ۱۱۹۰۔

۲۲۔ ان کا اسم گرامی زید بن خالد الجہنی اور کنیت ابو عبدالرحمان تھی۔ آپ نے اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔

دیکھیے : الاستیعاب، ترجمہ ۸۴۵، الاصابہ ترجمہ ۲۸۹۵، تہذیب التہذیب ۴۱۰/۳۔

۲۳۔ ان کا نام انیس بن الضحاک الاسلمی تھا۔ تراجم کی کتب میں آپ ہی کے متعلق یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورۃ واقعہ میں آپ کو تحقیقات اور حد ثابت ہونے پر رجم کے لیے مامور فرمایا۔

دیکھیے : الاستیعاب، ترجمہ ۹۵، الاصابہ ترجمہ، ۲۹۰۔

۲۴۔ اس حدیث کی روایت کے لیے دیکھیے : البخاری کتاب الحدود، حدیث ۶۸۲۷۔۶۸۲۸، مسلم کتاب الحدود حدیث ۱۶۹۷۔۱۶۹۸، الترمذی کتاب الحدود، حدیث ۱۴۳۳، النسائی کتاب آداب القضاۃ ۲۴۰/۸۔

۲۵۔ ان کا پورا نام عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی تھا۔ اشراف قریش میں سے تھے۔ آپ کی

ولادت عہد رسالت ہی میں ہوئی۔ ابن سعد نے تابعین کے طبقہ اولی میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ آپ عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے ہی ہمراہ آپ کی شہادت کعبہ شریف کے اندر ہوئی۔ دیکھیے : تہذیب التہذیب ۵/ ۲۶۵۔ ۲۶۶، شذرت الذھب ا/ ۸۰۔

۲۶۔ آپ کا نام صفوان بن امیۃ اور کنیت ابو وھب القرشی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور پھر حضور کی صحبت نصیب رہی۔ آپ کی وفات ۴۱ھ میں ہوئی۔
دیکھیے : الاستیعاب، ترجمہ ۱۲۱۴۔ الاصابہ باب الکنی، ترجمہ ۱۲۲۵۔

۲۷۔ روایت کے لیے دیکھیے : الموطا کتاب الحدود، ۲/ ۸۳۴۔۸۳۵۔ النسائی، کتاب قطع السارق ۸/ ۶۹۔ امام نسائی حدیث کی روایت کے بعد اسے صحیح حدیث قرار دیتے ہیں۔

۲۸۔ ان کا نام محمد بن فرج اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ ابن الطلاع کے نام سے مشہور تھے۔ ولادت ۴۰۴ھ میں اندلس کے شہر قرطبہ میں ہوئی۔ فقہاء مالکیہ میں آپ کا شمار کبار علماء و فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ کے علمی مرتبہ کے باعث آپ کو حکومت نے مفتی اعظم کا منصب تفویض کر رکھا تھا۔ آپ کی وفات ۴۹۷ھ میں ہوئی۔
دیکھیے : الدیباج المذھب فی معرفۃ اعیان علماء المذھب لابن فرحون المالکی، صفحہ ۲۷۵، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون لحاجی خلیفۃ، صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷

۲۹۔ علامہ عبداللہ محمد بن فرج المالکی القرطبی نے حضور نبی کریم ﷺ کے فیصلے " اقضیہ رسول اللہ ﷺ " نام سے موسوم کتاب میں جمع کیے ہیں اور مختلف عناوین کے تحت ایک جیسے مقدمات کے فیصلوں کو ایک ہی جگہ بیان کرنے کے علاوہ متعلقہ موضوع پر حضور نبی کریم ﷺ کے احکامات اور بعض اوقات فقہاء و محدثین کے اقوال کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ کتاب " مطابع قطر الوطنیۃ" سے شیخ حمد بن فالح آل ثانی نے طبع کروا کر تقسیم کی ہے۔

۳۰۔ اس خاص موضوع پر مشہور حنفی فقیہ شیخ ظہیر الدین مرغینانی کی تصنیف کا ذکر "اقضیۃ رسول اللہ ﷺ" کے صفحہ ۲ پر ملتا ہے۔ مگر اس کا اصل یا قلمی نسخہ ناپید ہے۔ علاوہ ازیں علامہ ابن القیم الجوزیہ کی شہرہ آفاق کتاب "اعلام الموقعین" شیخ عبدالحی کتانی کی تصنیف "التراتیب الاداریۃ فی نظام الحکومۃ النبویۃ" اور برصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز عالم و محدث نواب صدیق حسن خان کی کتاب "بلوغ السئول فی اقضیۃ رسول" میں حضور نبی کریم ﷺ کے بعض فیصلوں کو یکجا کیا گیا ہے تاہم اس موضوع پر علامہ عبداللہ فرج المالکی کی تصنیف "اقضیۃ رسول اللہ ﷺ" ہر لحاظ سے جامع اور منفرد ہے۔

۳۱۔ دیکھیے : ابو داؤد کتاب الاقضیہ، حدیث ۳۵۸۲، الترمذی کتاب الاحکام حدیث ۱۲۳۱، امام ترمذی

حدیث کی روایت کے بعد اسے صحیح حدیث قرار دیتے ہیں۔ ابن ماجہ کتاب الاحکام حدیث ۲۳۱۰، مسند الامام احمد ا/ ۸۳۔۸۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/ ۸۶۔

۳۲۔ آپ کا اسم گرامی معاذ بن جبل الانصاری اور کنیت ابو عبدالرحمان تھی۔ ان چھ جلیل القدر ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے حضور سرور کائناتؐ کے دور میں قرآن پاک جمع کیا۔ حضورؐ نے غزوہ تبوک کے بعد آپ کو اہل یمن کے لیے قاضی بنا کر بھیجا اور آپ کے دستی اہل یمن کے لیے ایک مکتوب بھی ارسال فرمایا جس میں تحریر تھا کہ میں تم لوگوں کے لیے اپنے صحابہ میں سے بہترین کو بھیج رہا ہوں، آپ کی وفات ۱۸ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: الاستیعاب، ترجمہ ۲۴۱۶، الاصابہ ترجمہ ۸۰۳۹، تہذیب التھذیب ۱۰/ ۱۸۶۔۱۸۸۔

۳۳۔ دیکھیے: الترمذی کتاب الاحکام، حدیث ۱۳۲۷۔۱۳۲۸، امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کے بعد منقطع قرار دیا ہے۔ ابو داؤد کتاب الاقضیۃ، حدیث ۳۵۹۲۔۳۵۹۳۔

۳۴۔ آپ کا نام عتاب بن اسید ابی العیص الاموی اور کنیت ابو محمد تھی۔ فتح مکہ کے دن اسلام قبول فرمایا اور غزوہ حنین پر روانگی سے قبل حضورؐ نے مکہ پر آپ کو قاضی مقرر فرمایا اور آپ ۱۳ھ اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔

دیکھیے: الاستیعاب ترجمہ ۱۷۵۶، الاصابہ ترجمہ ۵۳۹۳، تہذیب التہذیب ۷/ ۸۹۔

۳۵۔ ادب القاضی للماوردی، ج ا، ص ۱۳۱

۳۶۔ آپ کا اسم گرامی عمرو بن العاص القرشی اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ۸ھ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ جنگ صفین میں امیر معاویہ کی طرف سے بطور ثالث آپ ہی کی نامزدگی ہوئی تھی۔ ۴۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ دیکھیے: الاصابۃ ترجمہ ۵۸۸۴۔

۳۷۔ حدیث کی روایت کے لیے دیکھیے: البخاری کتاب الاعتصام حدیث ۷۳۵۲۔ مسلم کتاب الاقضیہ حدیث ۱۷۱۶، ابو داؤد کتاب الاقضیہ حدیث ۳۵۷۴، ابن ماجہ کتاب الاحکام حدیث ۲۳۱۴، تحفۃ الاشراف ج ۸ ص ۱۵۸

۳۸۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن مسعود الھزلی اور کنیت ابو عبدالرحمان تھی۔ سابقون الاولون میں سے تھے اور مکہ مکرمہ میں علی الاعلان اور جہراً قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے پہلے صحابی تھے۔ آپ کو سفر و حضر میں حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت اور رفاقت کی سعادت حاصل رہی۔ وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: الاستیعاب ترجمہ، ۱۶۵۹، الاصابۃ ترجمہ ۴۹۵۴، تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲۷۔

۳۹۔ آپ کا پورا نام زید بن ثابت الانصاری تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ اور کاتبین

وحی میں سے تھے۔ آپ کو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ سوئم حضرت عثمان غنیؓ کے مبارک ادوار میں قرآن کریم کی جمع و تدوین کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ دیکھیے: الاستیعاب ترجمہ ۸۴۰، الاصابۃ ترجمہ ۳۸۸۰، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۹۔

۴۰۔ آپ کا اسم گرامی معقل بن یسار بن عبداللہ بن معیر المزنی اور کنیت ابو علی تھی۔ صحابہ کرام میں سے تھے اور حدیث کی کتب میں آپ سے بہت سی روایات ملتی ہیں۔ سنۃ ۶۰ اور ۷۰ھ کے درمیان بصرہ میں وفات پائی۔ بصرہ میں نہر معقل کے نام سے ایک نہر کی کھدائی بھی آپ سے ہی منسوب ہے۔

دیکھیے: تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۳۵۔۲۳۶۔

۴۱۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب اور کنیت ابو موسی تھی، قحطان کے قبیلہ اشعر سے نسبت کے باعث اشعری کہلاتے تھے۔ جلیل القدر صحابی تھے اور حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر بن الخطاب کے ادوار میں آپ حاکم اور قاضی مقرر کیے گئے۔ جنگ صفین کے موقعہ پر آپ کو ثالث مقرر کیے جانے پر حضرت علی کرم اللہ وجہ اور امیر معاویہ نے اتفاق کیا تھا۔ آپ کی وفات ۴۴ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: الاستیعاب، ترجمہ ۱۶۳۹، الاصابۃ، ترجمہ ۴۸۸۹، تہذیب التہذیب ج ۵، ص ۳۶۲۔

۴۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۲۰۳ تا ۲۰۹، کنز العمال ج ۵، ص ۸۰۲۔

۴۳۔ دیکھیے: بدائع الصنائع ۷/۲، ادب القاضی للماوردی ۱/۱۳۳۔۱۳۵، مغنی المحتاج ۴/۳۷۲، کشاف القناع ۶/۲۸۶۔

۴۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: السنن الکبری للبیہقی ۱۰/۱۱۴۔۱۱۵، کنز العمال ۵/۶۰۰۔

۴۵۔ دیکھیے: السنن الکبری للبیہقی ۱۰/۸۷، نصب الرایۃ ۴/۶۳۔

۴۶۔ ان کا اسم گرامی عبدالرحمان بن محمد بن خلدون تھا۔ اپنے زمانے کے مشہور عالم اور بلند پایہ مورخ تھے۔ ان کی تصانیف میں " تاریخ ابن خلدون" اور "شرح البردہ" بہت مشہور ہیں۔ وفات ۸۰۸ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: الضوء اللامع ۴/۱۴۵، نفح الطیب ۸/۲۷۷۔

۴۷۔ ان کا اسم گرامی عویمر بن عامر تھا اور اپنی کنیت ابو الدردا سے مشہور تھے۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ جنگ بدر کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے احد کی جنگ کے دوران آپ کی شجاعت کی تعریف فرمائی۔ آپ ہی کے متعلق حضور نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "ابو الدردا میری امت کے حکیم ہیں" آپ کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: الاستیعاب ترجمہ، ۲۰۰۶، الاصابہ ترجمہ ۶۱۱۹۔

۴۸۔ آپ کا اسم گرامی شریح بن الحارث الکندی تھا۔ آپ کا شمار ابتدائی اسلامی دور کے بلند پایہ اور مشہور قضاۃ میں ہوتا ہے۔ حضرات عمر، عثمان اور علیؓ اور بنو امیہ کی ملوکیت کے ابتدائی ادوار میں آپ کوفہ میں قضاء کے منصب پر فائز رہے۔ آپ نے ۷۸ھ میں وفات پائی۔

دیکھیے: طبقات الفقہاء للشیرازی ص۵۹۔۶۰، تہذیب التہذیب ۳۲۶/۴۔۳۲۸۔

۴۹۔ دیکھیے: تاریخ ابن خلدون ۱۸۴/۱

۵۰۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے محمد بن ابوبکر کے بعد مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا تو انہیں نظام حکومت چلانے کے لیے کچھ تحریری ہدایات دیں۔ انہی ہدایات میں نظام قضاء کے قیام کے ضمن میں بھی ہدایات شامل تھیں۔

۵۱۔ "نہج البلاغۃ" مرتبہ سید رئیس احمد جعفری ندوی وغیرہ، صفحہ ۸۰۶ (شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، طبع پنجم)

۵۲۔ حدیث کی روایت کے لیے دیکھیے: مسند الامام احمد، ج۱ ص۷، المستدرک علی الصحیحین ج۴ ص۹۳، حاکم المستدرک میں حدیث نقل کرنے کے بعد اسے صحیح کی سند دیتے ہیں اور اس میں علامہ الذہبی بھی ان کی تائید فرماتے ہیں۔

۵۳۔ حاکم "المستدرک علی الصحیحین" میں اسے صحیح حدیث قرار دیتے ہیں۔ دیکھیے ج۴ ص۹۲۔

۵۴۔ ان کا نام علی بن خلیل اور کنیت ابو الحسن تھی۔ طرابلس کی نسبت سے طرابلسی مشہور ہوئے۔ فقہاء حنفیہ میں ان کا شمار کبار قضاۃ میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے بلند علمی مرتبہ اور فقہ میں دسترس کے باعث کافی مدت تک بیت المقدس کے قاضی کے منصب پر فائز رہے "معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام" آپ کی وہ تصنیف ہے جو قضاء اور اس سے متعلقہ مسائل میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی۔ آپ کی وفات ۸۴۴ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: کشف الظنون ج۲ ص۱۷۴۵، معجم المطبوعات ص۱۲۳۶۔

۵۵۔ "معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام" ص۱۳ و ۱۴۔

۵۶۔ "بدائع الصنائع" ج۷ ص۲، ادب القاضی للماوردی ج۱ ص۱۳۵ و ۱۳۶، کشاف القناع ج۶ ص۲۸۶۔

۵۷۔ ان کا نام ابراہیم بن علی ابن فرحون تھا۔ فقہاء مالکیہ میں ان کو انتہائی بلند مقام حاصل ہے۔ اپنے علم و فضل میں یکتا ہونے کے باعث اپنے وقت کے مشہور قاضی تھے۔ نظام قضاء سے متعلق ان کی تصنیف "تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ و مناہج الاحکام" بہت مفید اور معیاری

کتاب ہے۔ علاوہ ازیں آپ "الدیباج المذہب" اور "طبقات علماء المغرب" نام کی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ وفات ۷۹۹ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: تعریف الخلف ج ۱ ص ۱۹۷، الفتح المبین ج ۲ ص ۲۱۱۔

۵۸۔ تبصرۃ الحکام، ج ۱ ص ۲۱۔

۵۹۔ آپ کا نام علی بن محمد بن حبیب کنیت ابو الحسن اور لقب الماوردی تھا۔ شافعی مذہب کے کبار۔ آئمہ اور فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے اور اپنے بلند علمی مقام کے باعث صدر اسلام کے قضاۃ میں آپ کو منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ کی شہرہ آفاق تصانیف میں "ادب القاضی"، "الاحکام السلطانیہ" اور "سیاسۃ الملک" اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے لاجواب کتب ہیں۔ آپ نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

دیکھیے: طبقات الفقہاء للشیرازی ص ۱۱۰، شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۸۵ و ۲۸۸۔

۶۰۔ الاحکام السلطانیہ ص ۷۶۔

۶۱۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۴۶۱، لسان الحکام ص ۲۱۸، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۳۷۷، شرح منتہی الارادات ج ۴ ص ۲۹۵۔

۶۲۔ اس کا نام یزید بن معاویہ بن ابو سفیان الاموی تھا۔ اپنے والد معاویہ بن ابو سفیان کی وفات کے بعد حکمران ہوا اور اپنے ظلم اور فسق و فجور کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کے تاریک دور حکومت میں کربلا کا عظیم سانحہ پیش آیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور دیگر اہل بیت رسول بیدردی اور سفاکی سے شہید کیے گئے۔ اس کی وفات ۶۴ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: تہذیب التہذیب ۱۱/ ۳۶۰۔۳۶۱، مختصر تاریخ العرب ص ۷۱۔۷۶۔

۶۳۔ اس کا نام حجاج بن یوسف بن الحکم الثقفی تھا۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں حجاج مکہ، مدینہ، طائف اور عراق کا گورنر رہا۔ وہ انتہائی ظالم، سفاک اور اپنے ظلم و زیادتی کے لیے مشہور حکمران تھا۔ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف کعبہ میں لڑائی لڑی اور اسی کے ہاتھوں آپ کی شہادت ہوئی اور کعبہ کا ایک حصہ بھی منہدم ہوا۔ اس کی وفات ۹۵ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: تہذیب التہذیب ۲/ ۲۱۰۔۲۱۳، وفیات الاعیان ۲/ ۲۹۔۵۴۔

۶۴۔ سورۃ یوسف، آیت ۵۵۔

۶۵۔ تبصرۃ الحکام ج ۱ ص ۳۳، مواہب الجلیل، ج ۶، ص ۹۹

۶۶۔ ادب القاضی للماوردی ج ۱ ص ۴۱۷۔

۶۷۔ آپ کا اسم گرامی حسن بن علی بن ابی طالب اور کنیت ابو محمد تھی۔ رسول کریم ﷺ کی چہیتی

صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے بیٹے اور آپ ﷺ کے بہت لاڈلے نواسے تھے۔ صحیح روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نماز میں سجدہ سے اس وقت تک سر نہیں اٹھاتے تھے جب تک ننھے حسن و حسین آپ کی پیٹھ پر موجود رہتے۔ عقل و خرد، فہم و فراست، خوش خلقی اور سخاوت میں ضرب المثل تھے۔ اہلسنت والجماعت کے نزدیک آپ پانچویں خلیفہ راشد تھے۔ آپ کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی۔ دیکھیے : الاصابہ ت ۳۲۸، اسد الغابہ ت ۱۱۶۵، تہذیب التہذیب ۲/ ۲۹۵۔

۶۸۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غلام تھے۔ بڑی عمر پائی مگر ان کی تاریخ وفات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ دیکھیے : میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۳۹۲۔

۶۹۔ آپ کا اسم گرامی حسین بن علی بن ابی طالب اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ حضرت امام حسن کے چھوٹے بھائی اور رسول اللہ ﷺ کے محبوب نواسے تھے، صحیح احادیث میں آپ کے بے شمار مناقب روایت ہوئے ہیں۔ آپ نے ظالم و جابر اور فاسق و فاجر حکمران کے خلاف علم جہاد بلند کر کے ۶۱ھ میں یزیدی افواج کے ہاتھوں کربلا میں جام شہادت نوش کیا اور اپنے نانا کے دین کی عظمت و سر فرازی کا سبب بنے۔

دیکھیے : الاستیعاب ت ۵۷۳، الاصابہ ترجمہ ۱۷۲۴، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴۵ تا ۳۴۷۔

۷۰۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے مناقب الامام حسن و الامام حسینؓ کے باب میں ۳۷۶۸ نمبر کے تحت روایت کرتے ہوئے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں مسند امام احمدؒ میں یہ حدیث مسند کی مجلد ۳ اور صفحات ۶۲ و ۶۴ اور ۸۴ پر ملتی ہے۔

۷۱۔ حاشیۃ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۶۸۔